رائے عامہ سے اصلاح کا کام لیں، تنقیدی اڈے ختم کرنے کیلئے حکمت سے کام لیں اور اپنی اولاد کو بچائیں نیز واقفین زندگی کو نصائح

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۱ر نومبر ۱۹۸۸ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:۔

تربیت کا مضمون ایک دائمی مضمون ہے اور کسی خاص زمانے یا موسم سے اس کا تعلق نہیں لیکن بعض زمانے ایسے ضرور آتے ہیں جبکہ تربیت کے مضمون میں شدت پیدا ہو جاتی ہے اور وقت تقاضا کرتا ہے کہ تربیت کی طرف خصوصیت سے توجہ دی جائے۔ جماعت آج کل جس دور سے گزر رہی ہے یہ ایک ایسا ہی دور ہے اور مختلف پہلوؤں سے وقت متقاضی ہے کہ ہم اپنی اور اپنی آئندہ نسلوں کی تربیت کی طرف غیر معمولی توجہ دیں۔

گزشتہ خطبہ میں میں نے یہ بیان کیا تھا کہ صدی کا اختتام بھی یعنی احمدیت کی پہلی صدی کا اختتام بھی اسی طرف متوجہ کر رہا ہے کہ اگلی صدی میں داخل ہونے سے پہلے پہلے اپنی کمزوریوں کو دور کر لیں، اپنے گناہوں کے بار اتار پھینکیں اور ہلکے پھلکے قدموں کے ساتھ نیکی کی قوتیں حاصل کر کے تقویٰ کا زادِراہ لے کر اگلی صدی میں داخل ہوں۔ دوسرے جو مباہلہ کا چیلنج ساری جماعت کی طرف سے میں نے مکفرین اور مکذبین کے اماموں کو دیا ہے وہ بھی اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنے اعمال کی اصلاح کی

طرف غیر معمولی توجہ دیں کیونکہ مباہلہ کی کامیابی اور ناکامی کے سلسلہ میں میں نے جو خدا تعالیٰ سے نشان مانگا ہے اس میں ایک یہ بھی ہے کہ اگر ہمارا دشمن جھوٹا ہے اور جھوٹ پر اصرار کرتا ہے تو ان کے گند ظاہر کر اور دنیا دیکھ لے وہ اسلام کی طرف منسوب ہونے کا کوئی حق نہیں رکھتے اور اگر ہم سچے ہیں تیری نگاہ میں تو ہماری بدیاں دور فرما اور ہماری نیکیوں کو اجاگر کر، ہمیں پاک اور صاف بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرتا کہ یہ دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے کہ جن کو بد کہتے تھے وہ خوبصورت اور حسین نکلے۔ پس اس پہلو سے یہ جو عملی نشان ہے مباہلہ کی کامیابی کا اس میں ہر احمدی کو اپنی کوششیں صرف کرنی ہوں گی یعنی اس نشان کو خدا تعالیٰ سے طلب کرنے کے لئے جانکاہی کے ساتھ بڑی محنت اور بڑی توجہ اور بڑے خلوص کے ساتھ اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کرنی ہوگی اور نیکیوں کو ابھارنے اور بڑھانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے ہوئے حتی الامکان سعی کرنی ہوگی۔

اس پہلو سے میں نے جو سلسلہ تربیتی امور کا شروع کیا تھا اس میں بار بار میں ربوہ کا نام لیتا رہا ہوں ایک مثال کے طور پر لیکن جیسا کہ میں واضح کیا تھا اس ربوہ کی مثال کا تعلق دراصل ساری دنیا کی احمدی جماعتوں سے ہے۔ مرکزی حیثیت کے لحاظ سے ربوہ چونکہ ایک نمونہ ہونا چاہئے اس لئے جو باتیں بھی میں ربوہ کے حوالہ سے کرتا ہوں یا کروں گا ان کا دراصل تمام احمدی معاشرے سے تعلق ہے خواہ وہ دنیا کے کسی ملک سے تعلق رکھتا ہو۔ جہاں جہاں احمدی بستیاں آباد ہیں جہاں جہاں احمدی گھر موجود ہیں ان سب پر انہی باتوں کا اطلاق ہوتا ہے۔ الا ماشاء اللہ بعض ایسی باتیں بھی ہوتی ہیں جو بعض شہروں کے ساتھ خصوصیت رکھتی ہیں۔ ان کو چھوڑ کر جہاں تک عمومی تربیت کا تعلق ہے میرا خطاب عام ہے اور کسی ایک شہر یا ایک بستی سے میں مخاطب نہیں ہوں۔

جہاں تک میرے گزشتہ خطبہ میں اس نصیحت کا تعلق ہے کہ تربیت نرمی اور شفقت اور محبت اور پیار اور سمجھانے کے ذریعے کی جاتی ہے سختی سے نہیں کی جاتی۔ یہ بات بالکل درست ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں لیکن اس سے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ پیشہ ور مجرموں سے نرمی کرنی چاہئے اور ان کے جرم کو نظر انداز کر دینا چاہئے اور انہیں معاشرے کے ساتھ ظلم کرنے سے باز رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ بعض بدیوں کے اڈے بن جاتے ہیں یعنی لفظ پیشہ ور اس طرح تو ان پر اطلاق نہیں پاتا لیکن پیشہ وری کا لفظ ایک محاورہ بن چکا ہے یعنی عادی مجرموں کے لئے بھی آپ پیشہ ور مجرم کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ پس

ان معنوں میں بعض جگہ بدیوں کے ایسے اڈے بن جاتے ہیں جن کو ہم پیشہ وراڈے کہہ سکتے ہیں اور وہاں سے برائیاں پھیلانے کے کاروبار ہوتے ہیں۔ بظاہر ایک دکان ہے ایک جنرل سٹور ہے وہاں کاروبار تو ہونا چاہئے ان سودوں کا جن سودوں کو حاصل کرنے کے لئے لوگ وہاں حاضر ہوتے ہیں لیکن بسا اوقات وہاں بدیوں کے کاروبار بھی شروع ہو جاتے ہیں اور وہاں آپ ہمیشہ قابل اعتراض حرکت کرنے والوں کو قابل اعتراض حالت میں لمبے عرصے تک وہاں پائیں گے اور کئی قسم کی خرابیاں وہاں سے جنم لیتی ہیں۔ تو جہاں تک نظام کا تعلق ہے نظام جماعت کو وہاں ضرور دخل دینا چاہئے اور وہاں دخل دینے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ سب سے پہلے جب انسان کسی بیماری میں دخل دیتا ہے تو اسے جراحی کا خیال نہیں آیا کرتا اسے عام طریق پر شفا دینے کا خیال آیا کرتا ہے۔ جراحی بعد کی بات ہے اس لئے جب میں دخل دینے کی بات کرتا ہوں تو اس تعلق میں بھی میرے ذہن میں ہرگز یہ نہیں کہ فوراً ان کو وہاں سے اکھاڑ پھینکو بلکہ وہ تمام مناسب اقدامات کرو جن کا ان اڈوں کی اصلاح سے تعلق ہے۔ احمدی دکاندار ربوہ سے باہر بھی ہو سکتے ہیں اور وہ بھی اس قسم کی خرابیوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔

بعض یورپ میں احمدی دکانداروں کے متعلق مجھے معلوم ہوا کہ ان کے ہوٹل کے کاروبار ہیں اس لئے وہاں شراب بھی بکتی ہے۔ چنانچہ جب میں نے اس کا سختی سے نوٹس لیا، سختی سے مراد یہ ہے کہ Firmness جس کو انگریزی میں کہتے ہیں کہ بڑے پختہ قدم کے ساتھ میں نے اس بات پر اصرار کیا کہ آپ کو یہ کاروبار چھوڑنا ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ایک بڑی بھاری تعداد ایسی تھی جنہوں نے اس کاروبار کو ترک کر دیا۔ بعضوں کو خدا تعالیٰ نے فوراً بہتر کاروبار بھی عطا کئے، بعضوں کا ابتلا میں بھی ڈالا۔ لمبے عرصے تک وہ دوسرے کاروبار سے محروم رہے لیکن وہ پختگی کے ساتھ اپنے اس فیصلے پر قائم رہے تو اس طرح ہر صورتحال کے مطابق مختلف کاروائی کرنی ہوتی ہے مگر نظام جماعت کو سب دنیا میں مستعد ہو کر جہاں تک احمدیوں کا تعلق ہے ان کو برائیوں کے اڈوں سے متعلق نہ رہنے دیں اور ربوہ جیسے شہر میں جہاں انتظامیہ کا دخل عام شہروں کے مقابل پر زیادہ ہے کیونکہ بھاری اکثریت احمدیوں کی ہے اور احمدیوں کی رائے عامہ کو ربوہ میں جس قوت کے ساتھ استعمال کیا جا سکتا ہے اس قوت سے غیر شہروں میں بسنے والے احمدیوں کی رائے عامہ کو استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

تو Firmness اور سختی سے میری مراد یہ ہے کہ پہلے ایک باقاعدہ منصوبہ بنا کر ایسے لوگوں کو

نصیحت کی جائے ان کی برائیاں ان پر کھولی جائیں۔ان کو بتایا جائے کہ تم ان حالات میں بالکل غلط سمت میں جارہے ہو۔خدا کی تقدیر کسی اور سمت میں جماعت کو لے کر جارہی ہے اور تم اس طرف پیٹھ دکھا کر دوسری سمت میں حرکت کر رہے ہو یہ مناسب نہیں ہے۔ان لوگوں کو تلاش کیا جائے جن کا ان پر اثر ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسے لوگوں پر دباؤ بڑھایا جائے پھر اس دباؤ کو نسبتاً عام کیا جائے اور رائے عامہ کو منظّم کر کے اس کے ذریعے اس دباؤ کو بڑھایا جائے۔جب میں یہ کہتا ہوں تو یہ مراد نہیں کہ دنیا میں جو رائے عامہ کو استعمال کرنے کا طریق ہے جماعت وہ استعمال کرے۔دنیا میں Picketing ہوتیں ہیں، رائے عامہ کو ابھار کر پتھراؤ کئے جاتے ہیں، گالی گلوچ دی جاتی ہے ہرگز نعوذ باللہ من ذالک میرے ذہن میں رائے عامہ کے دباؤ سے یہ نقشہ نہیں ہے بلکہ رائے عامہ کے دباؤ سے میری مراد وہ ہے جو قرآن کریم نے رائے عامہ کا دباؤ ہمیں سکھایا ہے۔وہ یہ ہے کہ برائی سے روکو اور نیکیوں کی تعلیم دو اور ہر سوسائٹی کا فرد اس بات میں ملوث ہو جائے ،اس بات پر عمل پیرا ہو جائے۔ یہ اتنا بڑا دباؤ ہے رائے عامہ کا کہ پکٹوں (Pickets) اور دوسرے دباؤ کی نسبت جو ہمیشہ جاری نہیں رہا کرتے یہ دباؤ بہت زیادہ غیر معمولی اثر دکھا سکتا ہے اگر با قاعدہ طریق پر اسے استعمال کیا جائے۔ایک شخص ایک حرکت کر رہا ہے دوسرا اس سے آنکھیں بند کر کے گزر جاتا ہے ایسے شخص کو اس بدی کی حرکت کو آئندہ بڑھانے کی جرأت ملتی چلی جاتی ہے۔ایک شخص ایسا ہے جو بری حرکت کرتا ہے اور کوئی ایک آدمی اس کو کہہ دیتا ہے کہ ایسا نہ کرو تو اس کے دل میں کچھ تھوڑی سی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، کچھ تردد پیدا ہوتا ہے۔ پھر کوئی نہیں کہتا تو آگے چل پڑتا ہے۔لیکن ایسا شخص جس کو ہر قدم پر یہ کہا جائے کہ تو یہ نامناسب فعل کر رہے ہو اور ایک کے بعد دوسرا کہتا چلا جائے اس سے اتنا غیر معمولی دباؤ نفسیاتی لحاظ سے اس شخص پر پڑ جاتا ہے کہ اس میں طاقت نہیں رہتی کہ اپنی بدی پر قائم رہے۔

یہ وہ قرآنی رائے عامہ ہے جو میرے ذہن میں ہے جس کا دباؤ آپ کو ڈالنا چاہئے اور اس پہلو سے بعض دفعہ اس نقطے کو غیروں نے بھی استعمال کیا ہے۔چنانچہ ایک ٹھگوں کی کہانی مشہور ہے کہ ایک شخص اپنی بکری لے کر جارہا تھا سادہ سا دیہاتی اور ٹھگوں کے ایک ٹولے کو خیال آیا کہ اس سے بکری ہتھیانی چاہئے۔تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر باتیں شروع کر دی اس کو کہا کہ تمہارا کتا جو تم نے پکڑا ہوا ہے بدصورت سا ہے اور یہ کوئی خطرناک سا لگتا ہے ممکن ہے یہ پاگل ہو کر کاٹ ہی لے تم کو کسی دن۔اس

نے کہا کتا کیسا یہ تو میری بکری ہے۔اس نے کہا خیر تم بکری سمجھتے رہو لیکن ہے تو یہ کتا ہی۔اس کے بعد اگلا ٹھگ اگلے کونے پر کھڑا تھا گلی کے۔اس نے اس کو سلام کیا اور ٹھہرا اور اس نے باتیں کرتے کرتے کہا کہ بھئی یہ جو کتا ہے یہ بڑا خطرناک لگ رہا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہیں نقصان ہی نہ پہنچا دے، کسی بچے کو کاٹ لے۔اس نے پھر کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے پاگل ہو گئے ہو یہ تو بکری ہے۔اس نے کہا خیر یہ تو بعد میں پتا لگے گا پاگل کون ہے لیکن ہے یہ کتا ہی۔ چنانچہ تین، چار، پانچ ٹھگوں نے جب وہی بات کہی تو اس کا جو اندرونی طور پر بکری کا یقین تھا وہ اٹھتا گیا اور رفتہ رفتہ وہ خود سمجھنے لگ گیا کہ شاید میں ہی پاگل ہوں ہے یہ کتا ہی۔ چنانچہ اس نے اگلے ٹھگ کے سپرد کیا کہ لو تم اس کو بھاگو یہاں سے جو کرنا اس کو کرتے رہو۔

یہ ایک لطیفہ ہے واقعۃً یہ نہیں ہوا ہوگا لیکن رائے عامہ کے دباؤ کے اثر کو ظاہر کرنے کے لئے یہ ایک عمدہ لطیفہ ہے اور واقعاتی دنیا میں جب اس کو منظم طور پر آپ استعمال کرتے ہیں تو غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی ہے اس سے اور بغیر سزا کے، بغیر کسی دوسری سختی کے اس طریق پر سختی سے پابندی عظیم الشان نتائج پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اگر پہلی قوموں نے اس طریق کو اختیار کیا ہوتا تو وہ ہلاک نہ ہوتی۔ جتنے انبیاء آئے ہیں ان کی قوموں کی ہلاکت کا راز اس بات میں ہے کہ رفتہ رفتہ انہوں نے بری باتوں سے روکنا چھوڑ دیا اور سچی باتوں کی تاکید کرنی چھوڑ دی۔اب اگر رائے عامہ کا دباؤ ایک جھوٹ کو سچ ثابت کر سکتا ہے تو آپ اندازہ کریں کہ ایک سچ کو کتنی عظیم قوت دے سکتا ہے۔مومن نے اسے فراڈ کے لئے استعمال نہیں کرنا مومن نے اسے سچائی کی خاطر استعمال کرنا ہے۔

پس اس پہلو سے ربوہ کا شہر ہو یا دوسرے ایسے مقامات ہوں جہاں احمدیوں کی کچھ آبادیاں ہیں جہاں اس قسم کی بدیاں دکھائی دیتی ہیں جہاں الگ الگ گھر ہیں لیکن بچوں میں کچھ کمزوریاں نظر آ رہی ہیں۔ ان سب باتوں کا رائے عامہ سے مقابلہ کریں اور قرآن کے دیئے ہوئے سبق کو استعمال کر کے دیکھیں یہ ایسا نسخہ ہے جو کبھی ضائع نہیں جائے گا، کبھی ناکام ثابت نہیں ہوگا لیکن افسوس ہے کہ قرآن کریم کو بار بار پڑھنے کے باوجود ہم رفتہ رفتہ ان نسخوں سے اس طرح گزر جاتے ہیں کہ گویا یہ موجود ہی نہیں ہیں۔سرسری، اچکتی ہوئی نظر سے آگے بڑھ جاتے ہیں اور اپنے حالات پر ان کا اطلاق کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔لیکن پھر بھی بعض بیمار ایسے ہیں جن پر نسخے کارگر نہیں ہوا کرتے۔ان کی بیماری اس حد تک بڑھ چکی ہوتی ہے۔ایسے لوگ پھر نتھر کر سامنے آجاتے ہیں وہاں پھر عمل جراحی بھی ہے جس کا قرآن کریم نے خود ذکر فرمایا مگر وہ پھر

بہت چند لوگ رہ جاتے ہیں۔ بھاری اکثریت ہے جو شفا یاب ہو جاتی ہے ان نسخوں کے استعمال سے۔ بہت معمولی اقلیت رہ جاتی ہے ان کو پھر سمجھانا چاہئے کہ میاں! یہ جگہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے۔ اپنی مرضی اپنے ماحول کے شہر تلاش کرو اور وہاں منتقل ہو جاؤ۔

جہاں تک رائے عامہ کا تعلق ہے اس کا ایک طریق اور بھی ہے۔ یعنی سوسائٹی بحیثیت مجموعی جب سدھر جاتی ہے تو سارے جسم کا دباؤ خود بیماریوں کو باہر نکال کر پھینک دیا کرتا ہے۔ اسے ہم رائے عامہ تقدیری کہہ سکتے ہیں یعنی وہ رائے عامہ جو عمل سے ظاہر ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس اثر کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا کہ مدینہ میں یہ طاقت موجود ہے کہ اس کا صالح معاشرہ بدوں کو باہر نکال دے۔ یہ ایک ایسے شخص کے متعلق فرمایا جس نے آ کر بیعت کی اور بیعت کے چند روز کے بعد وہ حاضر ہوا اس نے آنحضرت ﷺ کا نام لے کر مخاطب کیا کہ میں نہیں اب مسلمان رہنا چاہتا۔ مجھے میرا اسلام واپس کر لیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں! یعنی اس کو سمجھانے کی خاطر لیکن وہ یہ سمجھتا تھا کہ اسلام کوئی ایسی چیز ہے جس طرح کوئی مادی چیز ہوتی ہے اس نے وصول کر لی اور مجھے واپس کر دے۔ رسول اللہ ﷺ حکمت اور پیار سے اور خاص اپنی نصیحت کے انداز سے اس پر یہ اثر ڈالتے تھے کہ تمہارا اسلام رہنا ہی بہتر ہے لیکن آخر وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا کہ واپس کریں یا نہ کریں میرا کوئی تعلق نہیں اور پیٹھ پھیر کر چلا گیا۔ اس پر حضرت رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ بھٹی کی طرح ہے جس میں جب زنگ آلود لوہا ڈالا جاتا ہے تو لوہے کو قبول کر لیتی ہے اور زنگ کو نکال کے باہر پھینک دیتی ہے۔ (بخاری کتاب الاحکام حدیث نمبر: ۶۶۷۱)

تو اسی طرح صحیح صحت مند معاشروں کا حال ہوا کرتا ہے۔ ان معاشروں سے متضاد چیزیں ان سے ٹکرانے والی چیزیں وہاں بے چینی محسوس کرتی ہیں اور کچھ عرصے کے بعد وہ اپنے آپ کو اجنبی پاتے ہوئے اس جگہ کو چھوڑ کر چلی جایا کرتی ہیں بعینہٖ یہی صحت مند صالح جسم کا حال ہے۔ جو جسم صالح اور صحت مند ہو بھی مختلف قسم کے جراثیم اور کیڑوں مکوڑوں کے حملوں کا شکار تو ضرور ہوتا ہے لیکن وہ کیڑے اجنبیت محسوس کرتے ہیں اس ماحول میں۔ وہ اسے چھوڑ کے چلے جاتے ہیں اور اس کے ساتھ یکجان نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ میں نے ہومیو پیتھک علاج میں اس کو بارہا آزمایا ہے۔ بعض ایسی دوائیں ہے جو جسم کو

غیر وجود کی موجودگی کا احساس دلاتی ہیں اور جب جسم کا احساس یہ بیدار ہو جائے تو وہ غیر وجود لازماً جسم کو چھوڑ کر باہر آ جاتا ہے۔ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ وہ رہ نہیں سکتا۔ چنانچہ اگر چہ ایلو پیتھک میں Worms یعنی پیٹ کے کیڑوں کا علاج اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ یا تو دوائی سے مار دیا جاتا ہے ان کو اور یا اتنا بیمار کر دیتے ہیں ان کو کہ وہ پھر مجبور ہو کر نکلتے ہیں۔ لیکن ہومیو پیتھک علاج میں یہ طریق ہے کہ وہ انتڑیاں یا معدہ یا دوسرے ایسے حصے جہاں اگر صحت مند عضلات کام کر رہے ہوں اور اس کے جو Secretions یعنی لعاب وغیرہ نکلتے ہیں نظام انہضام کے وہ درست ہوں تو ہومیو پیتھک فلسفہ کے مطابق وہاں غیر وجود رہنا نہیں چاہئے۔ اس لئے جراثیم یا Worms کی موجودگی بتا رہی ہے کہ نظام انہضام میں جس قسم کے لعاب جس تناسب سے پائے جانے چاہئیں وہ بگڑ گیا ہے اور دوسری دفاعی طاقتیں جو ہیں وہ بھی کمزور ہوئی ہوئی ہیں۔ پس ایسی دوائیں دی جاتی ہیں جس سے یہ اندرونی نظام متوازن ہو جائے اور جیسا قدرت نے چاہا ہے کہ یہ نظام کام کرے اسی طریق پر کام شروع کر دے۔ جب یہ دوا صحیح ہو۔ جب یہ دوا کا حکم جسم قبول کر لیتا ہے تو ہم نے دیکھا ہے کہ کیڑے مکوڑے جو بھی پیٹ میں پہلے غذا میں حصہ دار تھے وہ از خود جسم کو چھوڑ کر نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔

تو یہ وہ نقطہ ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے آج سے چودہ سو برس پہلے ہمیں سمجھا دیا تھا کہ نظام صالح ہو، معاشرہ صالح ہو تو وہاں بدیاں اجنبیت محسوس کرتی ہیں۔ جس طرح بد نظام میں نیک لوگ اجنبیت محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے احمدی مجھے یورپ اور امریکہ سے خط لکھتے ہیں کہ ہم آ تو گئے ہیں یہاں لیکن بالکل دل نہیں لگ رہا ایسی گندی قوم ہے، ایسی بے حیا قوم ہے، ایسی ایسی بدیاں ہیں کہ ہمیں تو ہر وقت یہ وہم رہتا ہے کہ ہمارے بچے کہیں ٹیلی ویژن نہ کھول کے دیکھ لیں کیا ان پر اثر پڑے گا۔ باہر گلیوں میں جاتے ہیں تو وہاں بے حیائی ہے۔ اس لئے ہمیں تو اجازت دیں کہ ہم واپس چلے جائیں۔ چنانچہ میں اس کو عموماً یہ کہتا ہوں کہ **تم صرف اپنی اصلاح کی خاطر پیدا نہیں کئے گئے تم دنیا کی اصلاح کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔** یہ بات قابل فہم ضرور ہے جو تم کہہ رہے ہو لیکن تم نے تو لوگوں کی تقدیر بدلنی ہے، لوگوں کو شفا بخشنی ہے۔ اس لئے اول تو یہ ہمت پیدا کرو اور اپنا معیار بلند کرو اور اپنے عزائم بلند کرو اور پختہ کرو کہ ہم نے ہر صورت سے برائی کا مقابلہ کر کے نہ صرف یہ کہ اس کو اپنے اندر نہیں داخل ہونے دینا بلکہ اس کو غیروں سے بھی نکالنا ہے۔ یہ اگر تم کر سکتے ہو اور دعا کی مدد کے ساتھ ایسا کرنے میں

کامیاب ہو جاتے ہو تو ضرور ایسا کرو اور بھاگو نہیں کیونکہ ہم نے تو میدان سر کرنے ہیں۔ یعنی اگر تمہیں خطرہ ہے کہ اس جہاد میں تم مار کھا جاؤ گے تم میں طاقت نہیں ہے تو اپنی اولاد کو ضائع کر دو گے بجائے اس کے کہ دوسروں کو بچاؤ تو تمہیں میرا مشورہ ہے کہ ضرور واپس چلے جاؤ کیونکہ خدا تعالیٰ طاقت سے بڑھ کر کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا اور اولاد کا سودا کرنا بعض پہلوؤں سے دنیاوی لحاظ سے اچھے معاشرے میں رہنے کے لئے یہ کوئی حکمت کی بات نہیں ہے بہت ہی نقصان کا سودا ہے۔

پس اس پہلو سے عمومی معیار ربوہ کا بلند کر دیا جائے یا دوسری احمدی بستیوں کا بلند کیا جائے کہ وہاں مریض لوگ بے چینی محسوس کریں۔ بدیوں کے شکار سمجھیں کے یہاں کوئی مزہ نہیں آ رہا یعنی جگہ قبول نہیں کرتی ہمیں۔ معاشرہ رد کر دے ان لوگوں کو۔ معاشرہ ان لوگوں سے تعلق کاٹ لے بغیر اس کے کہ مقاطعہ کا اعلان ہو۔ معاشرہ کا عملی وجود مقاطعہ کر رہا ہو اور یہ ظاہر کر رہا ہو کہ ہم الگ ہیں اور تم الگ ہو تمہاری ہمارے اندر کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ احساس جب دلوں میں پیدا ہو تو پھر ایسے لوگ ان شہروں کو چھوڑ کر بھاگنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ لوگ مثلاً ایسے دکاندار جو نیک فطرت ہیں، دیندار ہیں، پانچ وقت نمازوں میں حاضر ہوتے ہیں، کاروبار کے وقت اذان سنتے ہیں تو تالے لگاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کی بھی کوششیں ہونی چاہئیں۔ معاشرے میں یہ احساس پیدا کرنا چاہئے کہ یہ زیادہ حقدار ہیں کہ تم ان کی طرف توجہ کرو۔ اگر ایسے لوگ اگر اپنی ناسمجھی یا ناتجربہ کاری کی وجہ سے دام زیادہ وصول کرتے ہیں تو پھر ان کو سمجھایا جائے۔ **انصر اخاک ظالما او مظلوما** (بخاری کتاب المظالم و الغصب، حدیث نمبر: ۲۲۶۳) اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم ہو۔ ان معنوں میں اس کی مدد کرو کہ ظلم سے اس کے ہاتھ روکو، اسے تجارت کے بہتر طریق سکھاؤ اس کو بتاؤ کہ یہ وجہ ہے کہ تمہاری دکان لوگوں کے لئے مطمح نظر نہیں بن رہی۔ اس لئے تم ان باتوں کو چھوڑو یہ طریق اختیار کرو۔ کوشش یہ کریں کہ نیک دکانداروں کی تجارت زیادہ چمکے اور زیادہ لوگ ان کی طرف مائل ہوں۔

پھر اور بہت سے طریق ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو قرآن وسنت کی روشنی میں نصائح فرمائی ہیں ان نصائح میں اتنی عظیم الشان قوت ہے اور ایسی تحریریں ہیں جو ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گی ان کو مختلف قطعات میں خوبصورتی کے ساتھ سجا کر آویزاں کیا جائے اور نمایاں کیا جائے ان جگہوں پر جہاں خطرہ ہے کہ اس قسم کے لوگ بیہودہ حرکتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے برائی کے

اڈے ہیں ان کو نظر میں رکھنا ان کو Cordon Off کرنا۔ بعض وبائیں ہیں جن کا علاج یہ ہوا کرتا ہے کہ ان سے بچنے کے لئے ایک جگہ ایک فصیل بنا دی جاتی ہے۔ تو جو جانے والے ہیں جو امکانی طور پر جانے والے ہیں ان کو وہاں سے روکنے کی کوشش کرنا باقاعدہ منظّم طریق پر اور اس طرح ایک نہ دکھائی دینے والی فصیل قائم کر دینا جو ویسے آنکھ سے نظر نہ آئے، نہ کان سے سنائی دے لیکن موجود ضرور ہو اور اس کی دیواریں اونچی ہوتی رہیں۔ یہ سارے اقدامات اور ایسے اور بہت سے اقدامات ہیں جن کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بغیر حکومت، بغیر طاقت، بغیر جبر کے استعمال کے معاشرے کے اندر بہت سی نئی خوبصورتیاں جنم لینے لگتی ہیں اور بہت سی بدیاں معاشرے کو چھوڑنا شروع کر دیتی ہیں۔

جہاں تک بدیوں کے اڈوں کا تعلق ہے بعض بیہودہ حرکتوں والے ایسے اڈے جہاں بدیاں دکھائی دیتی ہیں ان کے متعلق اور بھی بہت سی باتیں ہیں جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا کہ ان سے زیادہ دلکش اڈے بھی تو بنانے چاہئے۔ یہ نہیں کہ بعض اڈے آپ بند کر رہے ہوں۔ ان کی جگہ دوسرے اڈے جاری ہونے چاہئے جہاں نوجوان بیکار لوگ، غریب لوگ جن کے لئے لذت یابی کے کوئی سامان نہیں ہیں جن کو تسکین قلب کے لئے کچھ میسر نہیں ان کو معاشرہ یہ چیزیں مہیا کرے۔ ان سے سرپرستی کا سلوک کرے، ان سے پیار اور محبت کا سلوک کرے۔ تو یہ سب چیزیں مجموعی طور پر اگر اختیار کی جائیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے غیر معمولی نتائج ظاہر ہوں گے۔

کچھ اڈے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ہم دانشوروں کے اڈے کہتے ہیں۔ یہ ظاہری طور پر یہ نہیں کہا کرتے کسی کو کہ تم بد ہو جاؤ۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ تم فلاں ڈرگ استعمال کرنی شروع کر دو یا شراب نوشی کرو یا یہ کرو یا وہ کرو۔ یہ بظاہر نیکی کی تلقین کرنے والے اور بدیوں کا نوٹس لینے والے اڈے ہوتے ہیں لیکن اس طریق پر یہ کام کرتے ہیں جو قرآنی تعلیم کے بالکل منافی اور مخالف ہے۔

دانشور کا جہاں تک تصور ہے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دانشور ہے کیا۔ قرآنی اصطلاح میں دانشور کون ہوتا ہے اور بنتا کیسے ہے۔ جہاں تک قرآن کا تعلق ہے قرآن کریم فرماتا ہے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ
وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۱﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ
قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ
وَ الۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا
عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۲﴾ (آل عمران: ۱۹۱-۱۹۲)

کہ یقیناً زمین و آسمان کی پیدائش میں اور دن اور رات کے ادلنے بدلنے میں بہت سے نشانات ہیں دانشوروں کے لئے۔ اولی الالباب قرآن کریم کی اصطلاح ہے جو دانشوری کے لئے استعمال ہوئی ہے کہ دانشور لوگوں کے لئے ان باتوں میں بہت سے نشان ہیں۔ دانشور ہوتے کیا ہیں۔ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ یہ وہ لوگ ہیں جو کھڑے ہو کر بھی اور بیٹھے ہوئے بھی دن اور رات ہر حالت میں، لیٹے ہوئے کروٹیں بدلتے ہوئے بھی خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ان کا سینہ معمور رہتا ہے۔ جب اس کیفیت کے ساتھ ایک انسان کائنات پر غور کرتا ہے تو ہمیشہ صحیح نتیجہ تک پہنچتا ہے۔ یہ تدبر کا پس منظر ہے جو سچی دانشوری کے لئے ضروری ہے۔ یہ فرمانے کے بعد حالانکہ دانشوری کا ذکر الٰہی سے بظاہر کوئی تعلق نہیں۔ یہ فرمانے کے بعد یہ فرمایا گیا ہے ۔یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ دانشوری کا فکر سے تعلق ہے۔ بات یہ کہنی تھی کہ اولی الالباب وہ ہوتے جو الذین یتفکرون فی خلق السموت و الارض جو زمین و آسمان پر غور کرتے رہتے ہیں لیکن یہ جملہ معترضہ کے طور پر بیچ میں یہ بات داخل فرما دی الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ یہ وہ لوگ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے بھی ہر وقت خدا کو یاد رکھتے ہیں۔ یہ لوگ جب غور کرتے ہیں زمین و آسمان پر، یہ لوگ جب کائنات کے حالات پر فکر کی نظر رکھتے ہیں تو ان کا تدبر ان کو جہنم سے دور لے جاتا ہے جہنم کی طرف نہیں لے کر جاتا۔ اور یہ خدا سے دعا کرتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کہ اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات باطل پیدا نہیں کی فائدے کے لئے پیدا کی ہے نقصان کے لئے پیدا نہیں کی۔ اس لئے ہمیں بھی مقصود کائنات کے مطابق بنا دے، مقصود کائنات

کے ہم آہنگ کر دے۔ ہم بھی اس کائنات کے مقصد کو حاصل کرنے والے ہوں اور باطل سے دور رہیں اور حق کو پانے والے ہوں اور ضائع نہ جائیں۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر وہ عرض کرتے ہیں عذاب النار ہمارا مقدر ہو جائے گا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

تو یہ جو دانشور ہیں ان کی تمام علامتوں پر اگر غور کیا جائے تو بڑے عظیم وسیع مضمون ان میں پوشیدہ ہیں لیکن آخری بات جس سے یہ خاص طور پر پہچانے جاتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان کے تعلق رکھنے والے آگ کے عذاب سے بچائے جاتے ہیں۔ ان کے تعلق رکھنے والوں کو نہ اندرونی جہنم نصیب ہوتی ہے نہ بیرونی جہنم کیونکہ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ کی دعا جو ہے اس میں درحقیقت یہ مضمون کھول دیا یہ آگ سے بچنے کی ہر کوشش کر لیتے ہیں۔ ان کا رہن سہن، ان کی زندگی، ان کا سوچنے کا طریق، ان کے ملنے جلنے کے آداب یہ سارے ایسے ہیں جو آگ سے دور رکھنے والے ہیں ان کو اور بے چینیوں سے بچانے والے ہیں۔ ایک آگ تو جہنم کی آگ ہے جس کا مابعد الموت تعلق ہے۔ ایک وہ آگ ہے جس کا اس دنیا سے تعلق ہے۔ اس دنیا میں جس شخص کو خدا آگ سے بچائے اس کا دل پرسکون رہتا ہے۔ طمانیت پاتا ہے اور ایسی باتوں سے وہ بچایا جاتا ہے جو اس کے دل میں ایک قسم کی جہنم کی آگ لگا دیں۔

پس اس مضمون میں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ دانشور کسی اندرونی آگ میں پھکتے نہیں ہیں، کسی جلن کا شکار نہیں رہتے۔ یہ آگ سے یعنی ہر قسم کی آگ سے جو خدا کے عذاب کا مظہر ہو خود بھی دور بھاگتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگتے رہتے ہیں کہ اے خدا! ہمیں اس آگ کے عذاب سے بچا لیکن اس کے سوا کچھ اور دانشور بھی ہیں جو آگ سے پیدا ہوتے ہیں۔ حسد کے نتیجے میں ان کا وجود ابھرتا ہے۔ جلن اور غصے اور انتقام کی وجہ سے ان کی دانشوری کی قوتیں اجاگر ہوتی ہیں اور ان کے اڈے آگ سے بچانے کے لئے نہیں بلکہ آگ میں مبتلا کرنے کا نتیجہ پیدا کرتے ہیں۔

چنانچہ دو ہی قسم کے دانشور ہیں۔ جو دوسرے دانشور ہیں ان سے شر پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ (الفلق: ۶) خدا کے مومن بندے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ ہمیں حاسد کے شر سے بچا جب وہ حسد کرے۔ پس آپ دیکھیں کہ دنیا کہ اکثر دانشور جو مذہبی بنیادیں نہیں رکھتے یا جن کی جڑیں خدا تعالیٰ کی صفات میں پیوستہ نہیں ہیں بلکہ غیر اللہ کی صفات سے وہ جنم لیتے ہیں، وہیں سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے اور ان مومن مفکرین کے درمیان یہ بنیادی فرق ہے۔ وہ لوگ ہمیشہ

حسد اور انتقام کی پیداوار ہوا کرتے ہیں اور ان کی باتیں بھی حسد اور انتقام کی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ بعض دفعہ دبی زبان کے ساتھ بعض دفعہ کھل کر اور ایسی تنقید کو ہم عرف عام میں تخریبی تنقید کہتے ہیں۔ ان کی مجلس میں جو جاتا ہے وہ اس تنقیدی تخریب کا شکار ہو جاتا ہے اور وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ میں یہ نقطہ بھی ہمارے سامنے کھول دیا گیا کہ ان کی حسد کی جو کیفیت ہے وہ ان کی صفت بن چکی ہے۔ ان کا شر تو شاید کبھی کسی کو پہنچے کیونکہ اِذَا حَسَدَ میں بتایا کہ ہر وقت ان کا شر ان لوگوں کو نہیں پہنچتا جو محسود ہوتے ہیں جن سے یہ حسد کرتے ہیں لیکن خود ہمیشہ حسد کی حالت میں رہتے ہیں اور حسد فی ذاتہ ایک جہنم ہے، ایک آگ ہے جو ہر وقت دل کو بیقرار رکھتی ہے بریاں کرتی ہے، جلاتی رہتی ہے اور حاسد کبھی بھی اطمینان نہیں پاتا۔

تو دیکھئے کہاں وہ دانشوری جو یہ شعور بیدار کرتی ہے کہ جہنم کے عذاب سے دور رہنا ہے، نہ اس دنیا کے جہنم میں مبتلا ہونا ہے نہ اس دنیا کی جہنم میں مبتلا ہونا ہے، خود بھی کوشش کرنی ہے خدا سے بھی مدد مانگنی ہے اور کہاں یہ کیفیت کے دانشوری جہنم کی پیداوار ہے دوسرے کے جلنے کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ ان کی باتیں بھی ایسی، ان کے طعنے بھی اسی قسم کے، ان کی تنقید بھی ہلکی اور بازاری قسم کی اور اسی کے ذریعے یہ پھر اپنے دل کی تسکین حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ نقصان نہیں کر سکتے تب بھی زبان چلا کر اور اس کے چرکے لگا کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں کچھ تسکین مل گئی ہے۔ چنانچہ جو لوگ ان کے قریب بیٹھتے ہیں وہ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے، ان کے گھٹیا لطیفوں سے لطف اندوز ہوتے بظاہر لیکن یہ سارے لوگ بے چین ہی رہتے ہیں ہمیشہ۔ ربوہ میں مثال کے طور پر اگر کسی ناظر نے اپنی کار استعمال کر لی سودا لانے کے لئے تو ان لوگوں کو یہ خیال نہیں آئے گا کہ اس کی جو تعلیم ہے، اس کی جو پرانی قربانیاں ہیں، جس قسم کی صلاحیتیں تھیں اس کو خدا تعالیٰ نے عطا فرمائی ہوئی تھیں وہ اگر یہ دنیا میں استعمال کرتا جس طرح دوسرے دنیاداروں نے کی ہیں تو جس حال میں اب رہ رہا ہے اس سے بیسیوں گنا بہتر حال میں ہوتا۔ اگر جماعت نے اس کو کار دے دی اور اس نے اپنا سودا لانے کے لئے بھی استعمال کر لی تو تمہیں جلنے کی کیا ضرورت ہے لیکن وہ اسی پر پھبکیاں کستے رہیں گے، اسی پر ان کا دل آگ میں جلتا رہے گا کہ ان کو یہ چیزیں کیوں نصیب ہوئیں، انہوں نے یہ کیوں استعمال کیا۔ کسی کے گھر کے اچھے حالات دیکھے اس کا نام لندن ہاؤس رکھ دیا، کسی کے گھر کا نام پیرس ہاؤس رکھ دیا۔ اب یہ ہے اولی الالباب یعنی غیر

اسلامی اولی الالباب جوقرآنی اولی الالباب سے بالکل مدمقابل طاقتوں کی پیداوار ہیں اوران کی سوچ اور طرز فکر کا نتیجہ سوائے مزید جلن کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ کسی انتظامیہ سے جھگڑا ہو گیا، کسی امیر سے ناراض ہو گئے معاف ہی نہ کیا اس کو پھر ساری عمر۔ ہر وقت مجلسوں میں ان کے خلاف تنقید۔ کبھی نہیں سوچتے کہ ان میں ایسے ایسے کارکن ہیں اس مجلس عاملہ میں، اس جماعت کے کارکنوں میں جنہوں نے ساری زندگیاں، اپنے سارے وقت کو جماعت کے لئے وقف رکھا ہے۔ جب تم لوگ آرام کرتے تھے، جب تم سیر وتفریح میں لذتیں حاصل کیا کرتے تھے یا گھروں کی مجلسوں میں بیٹھتے ہوتے تھے یہ لوگ دن رات جماعت کے کام کی خاطر کبھی دفتروں میں کبھی لوگوں کے گھروں میں پھر کر چندہ اکٹھا کرتے ہوئے، کبھی نصیحتیں کرتے ہوئے، کبھی مجلس عاملہ کے اجلاس میں اور شغل ہی نہیں گویا کہ ساری زندگی جنہوں نے دین کی خاطر وقف کر دی اگر ان سے غلطیاں بھی ہوگئی ہیں تو تم کون ہوتے ہو خدا سے بڑھ کر ان پر پکڑ کرنے والے۔ اللہ تعالیٰ تو ایسے بندوں سے عفو کا سلوک فرماتا ہے، درگزر کا سلوک فرماتا ہے اور تمہیں کسی ایسے احساس نے کہ کبھی مجھے انہوں نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا تھا یا مجھ سے جو میں سلوک توقع رکھتا تھا وہ سلوک نہیں کیا تھا۔ اس احساس نے ہمیشہ کے لئے ایک آگ میں مبتلا کر دیا ہے۔ ہر وقت ان کے خلاف تخریبی کارروائیاں، ہر وقت ان کے خلاف تنقید، زبان ہے کہ رکنے کا نام نہیں لیتی اور اردگرد کی جو نسلیں ہیں جو تمہارے پاس آ کر بیٹھتی ہیں ان کو بھی ایک جہنم کی آگ میں مبتلا کرتے چلے جاتے ہو۔

ایسے تنقیدی اڈے بعض دفعہ ظاہری بدیوں کے اڈوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں کیونکہ یہ ایمان کے مرکز پر حملہ کرتے ہیں، یہ زندگی کی روح پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ تبھی قرآن کریم نے اس مضمون کو اس طرح بھی بیان فرمایا کہ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ:۱۹۲) کہ قتل سے تو ظاہری جسم مارا جاتا ہے لیکن بعض فتنے ایسے ہوتے ہیں جو روح کو قتل کر دیتے ہیں، ایمان کی جان لے بیٹھتے ہیں۔ وہ ظاہری قتل سے زیادہ خطرناک ہیں، زیادہ کبیرہ گناہ ہیں اور ان لوگوں کو یہ پتا نہیں لگتا کہ ہم کتنا بڑا کبیر گناہ کر رہے ہیں اور بے تکلف اپنی زندگیاں ان باتوں میں گلا دیتے ہیں۔ سب سے زیادہ نقصان ان کو اپنے گھر میں پہنچتا ہے اگر یہ اپنے گھر کو اڈہ بنائے ہوئے ہوں۔ بعض لوگ ایسے ہیں کہ وہ دوسروں کے گھروں میں جا کر ایسی مجلسیں لگاتے ہیں۔ ان کے بچے تو بچ بھی سکتے ہیں اگر وہ اپنے گھر میں ایسی باتیں نہ کریں لیکن وہ لوگ

جو اپنے گھروں میں ایسے اڈے بناتے ہیں ان کے متعلق الا ماشاء اللہ خدا کی یہی تقدیر ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی اولادیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ وہ خود جماعت سے منسلک رہ کر اپنی ساری زندگی گزر دیتے ہیں اور گھر میں جو وہ باتیں کرتے ہیں وہ ان کی اولادوں کو اس طرح روحانی بیماریوں میں مبتلا کر دیتی ہیں کہ اکثر ان کا انجام ہلاکت ہے۔

چنانچہ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض ایسے احمدی جو اپنی ذات میں ہمیشہ ذاتی طور پر جماعت سے منسلک رہے اور کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ بے وفائی کر کے الگ ہو جائیں گے لیکن انہوں نے اپنے گھروں میں اپنی کسی محرومی کے احساس کے نتیجے میں ہمیشہ جماعت کے عہدیداروں پر تنقید کی نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی اولادیں ضائع ہوگئیں یا جماعت کو چھوڑ گئیں یا وہ زبانیں جو گھر میں چھپ کر دراز کرتے تھے ان کو باہر گلیوں میں دراز کرنے کا موقع ملنا شروع ہوا، جرأت ہونی شروع ہوئی اور کھلم کھلے جماعت کے باغی بن کر انہوں نے زندگیاں بسر کرنی شروع کیں یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان کو خدا کی تقدیر نے جماعت سے منقطع کر کے الگ پھینک دیا۔

تو ایسے دانشوروں کو میں سمجھاتا ہوں ان کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ ہوش کرو۔ قرآن کریم جب فرماتا ہے لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ (الانعام:۱۵۲) اس کا یہی مطلب ہے۔ تو یہ نہ سمجھو کہ قتل اولاد سے مراد یہ ہے کہ چھریاں چاقو لے کر ان کو قتل کرو گے۔ تم اپنے ہاتھوں سے اپنی اولادوں کو قتل کر رہے ہوتے ہو اور تمہیں کوئی احساس نہیں ہوتا کہ تم نے کتنا بڑا ظلم کیا ہے۔ وہ لوگ جو خدمت دین میں مصروف ہیں جن کو تم اپنی تنقیدوں کا ظالمانہ نشانہ بناتے ہو ان پر تو خدا فضل فرمائے گا ان کی بدیاں دن بدن جھڑتی چلی جائیں گی، ان کی کمزوریاں دور ہوتی چلی جائیں گی وہ ابرار کی حالت میں جان دیں گے مگر تمہارے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ تم کس حالت میں جان دو گے اور تمہاری اولادوں کے متعلق تو غالب احتمال ہے کہ وہ ایسی حالت میں جان دیں گی کہ خدا کے حضور مجرم ٹھہر چکی ہوں گی۔ اس لئے یہ جو زبان کے چسکے ہیں ان کو معمولی نہ سمجھو۔ ان سے بہت سے بدنتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ ممکن ہے، یہ احتمال موجود ہے کہ تم تو اپنا زہر اپنی اولاد پر اگلتے ہوئے، ان کو ڈستے ہوئے خود تو پیچ تاب کھاتے ہوئے ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہو جاؤ اور بعد میں یہ اپنی بدنصیبی کی لکیر پیٹتے رہ جائیں اور کوئی ان کا علاج نہ ہو سکے۔ اس لئے ان اڈوں کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے جماعتوں کو اور ان کو سمجھانا چاہئے۔ محبت اور

پیار سے سمجھانا چاہئے اور حکمت سے سمجھانا چاہئے اوران لوگوں کو سمجھانا چاہئے جو ایسے اڈوں میں جا کر بیٹھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کوئی فرق نہیں پڑا۔

میں نے دیکھا ہے بعض دفعہ واقفین زندگی بھی ایسی حرکتوں میں مبتلا ہوتے ہیں ان سے بھی خدا کی تقدیر بالکل اسی طرح سلوک کرتی ہے۔ دو قسم کے واقفین زندگی آپ کو نظر آئیں گے بعض ایسے ہیں جن کی اولا د در اولا د سلسلہ کی عاشق رہتی ہے اور ایک نسل کے بعد دوسری سلسلہ سے محبت کرتی چلی جاتی ہے۔ ان کے متعلق آپ یقین جانیں کہ ان کے گھروں میں ان کے ماں باپ نے ہمیشہ اخلاص کی باتیں کی ہیں۔ تکلیفیں بھی اٹھائی ہیں، دکھ بھی اٹھائے ہیں، سخت تنگی ترشی میں بھی گزارے کئے ہیں اور بعض دفعہ واقعۃً بعض کارکنوں نے ان کے ساتھ ناحق سلوک بھی کیا ہوگا لیکن ہمیشہ صبر کے ساتھ ان باتوں کو برداشت کیا اور گھر میں ہمیشہ ایسی باتیں کی جو سلسلہ کی محبت بڑھانے والی ہیں اور قربانی میں ایزاد کرنے والی ،قربانی کو بڑھانے والی باتیں کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی اولادیں پھر ان کی اولادیں آپ دیکھیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جہاں بھی آپ کو نظر آئیں گی ،جس حال میں بھی آپ ان کو دیکھیں گے یہ سلسلہ کے عاشق ہوں گے، سلسلہ کی محبت میں مبتلا اس کی خاطر جان ، مال، عزتیں قربان کرنے والے۔

بعض واقفین زندگی ایسے بھی ہیں بدنصیبی کے ساتھ جنہوں نے ساری عمر تو دین کی خدمت کے لئے وقف کیا اپنے آپ کو اور خدمتیں بھی کیں لیکن کبھی کسی تحریک جدید کے افسر سے ناراض ہو کر اور کسی سلوک کے نتیجہ میں ان کے دل میں ہمیشہ ایک انتقام کی آگ بھڑکتی رہی اور چونکہ حسد سے جو دانشوری پیدا ہوتی ہے وہ جہنم سے ہٹانے والی نہیں بلکہ جہنم کی طرف لے جانے والی ہوا کرتی ہے۔ آگ کی اولاد ہمیشہ آگ ہوگی ،آگ کی جنت نہیں پیدا ہوا کرتی۔ اس لئے پھر ان کے گھروں میں وہ جہنم پیدا کرنے کے کارخانے قائم ہو جاتے ہیں۔ اپنے گھر میں بیٹھ کر دبی زبان سے شکوے کرتے ہیں ہم سے یہ ہوا، ہم سے وہ ہوا، ہماری فلاں جگہ تقرری ہونی چاہئے تھی ،فلاں شخص نے ظلم کی راہ سے اور پارٹی بازی کے نتیجہ مجھے نیچا دکھانے کے لئے یہ کیا وہ کیا۔ اب اولاد جب اپنے باپ کی مظلومیت کے قصے سنے گی تو اس کا رد عمل وہاں تک نہیں رہے گا جہاں تک اس کے باپ کا رد عمل تھا۔ اس کے باپ کے اوپر اس کے ذہن کی بالغ قوتوں نے قبضہ کیا ہوا ہے اور اس کے جو رد عمل ہیں وہ جس طرح گھوڑے کی باگیں ہاتھ میں ہوتی

ہیں ایک حد تک اس کے ہاتھ میں رہتے ہیں لیکن اولاد کے ردعمل پر کوئی باگیں نہیں ہوا کرتیں پھر۔ پھر یہ شتر بے مہار کی طرح جس طرف سر اٹھائیں نکل جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں کے سامنے ان کی اولادیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگوں کے متعلق اطلاع ملتی ہے کہ ان کا بیٹا ہے اور فلاں جگہ کام کرتا ہے اس نے یہ، اس قسم کی ظالمانہ تنقید کی گویا کہ اپنی دانشوری کے اڈے بنائے ہوئے ہیں اور نئی نسلوں کو تباہ کرنے کی کوشش کرتا ہے اور ان کا باپ ہے۔ اس نے عمر بھر خدمت کی باہر بھی اور اندر بھی لیکن میں جانتا ہوں کہ اس میں یہ عادت ہے۔ محلے کی مجلس میں وہ محلے کی انتظامیہ سے شاکی ہوگا، فلاں سے شاکی ہوگا۔ باہر سے محبت اور حسن سلوک سے باتیں کرے گا لیکن گھر میں بیٹھ کر وہ اندرونی دبی ہوئی آگ جو ہے وہ بھڑک اٹھتی ہے۔ اب نام لینے کا تو کوئی مناسب موقع نہیں ہے نہ مناسب ہے کہ کوئی ایسے معاملات میں کسی کو نام لے کر ننگا کرے۔ کبھی ایک دو، تین، چار ایسے بہت سے ہوا کرتے ہیں ہمیشہ رہے ہیں۔

وہ لوگ جنہوں نے قریب سے دیکھا ہے انتظامیہ ربوہ میں قادیان میں ان کو پتا ہے کہ کئی ایسے کچھ دیر رہے، کچھ کو تو مدینہ نے نکال باہر پھینک دیا اور انہوں نے اپنے آپ کو اس ماحول سے اتنا دور سمجھا ایسی اجنبیت دیکھی کہ بالآخر خود نکل کے چلے گئے۔ کچھ ایسے تھے جن کی اولادیں تباہ ہوگئیں خود رہے۔ اسی طرح مختلف قسم کے بداثرات انہوں نے اپنے ہاتھوں سے خود کمائے۔ تو ان لوگوں کو بھی میں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کے خدا کی یہ تقدیر غیر مبدل ہے، اٹل ہے، یہ آپ کے ساتھ ضرور جاری ہوگی۔ دانشور ضرور بنیں لیکن اس رنگ کے دانشور بنیں جس رنگ کے دانشور قرآن بنانا چاہتا ہے۔ اللہ کی محبت کے نتیجہ میں جو دماغ صیقل ہوتا ہے اور فکر کو جلا ملتی ہے اس جلا کے طلب گار ہوں۔ اس چمک کو خدا سے مانگیں کہ آپ کی تمام صلاحیتیں چمک اٹھیں اور جگمگانے لگیں لیکن الٰہی محبت میں اور تدبر میں اور فکر میں اور خدا تعالیٰ سے ایسا مزاج مانگیں کہ جس کے نتیجہ میں آپ جہاں بھی جائیں وہاں نیکیاں پیدا کرنے والے ہوں، سلسلہ کی محبت بڑھانے والے ہوں، تسکین قلب نصیب کرنے والے ہوں، جو آپ کے قریب آئیں ان کو سکینت قلب میسر ہو بجائے اس کے کہ ان کی بے چینی اور بے قراری بڑھنی شروع ہو۔

لیکن اس کے باوجود جماعت کے ان ذمہ دار افسروں کی بھی بھاری ذمہ داری ہے جن کی وجہ سے بعض لوگ ٹھوکر کھا جاتے ہیں ان کی بے احتیاطی کی وجہ سے۔ اگر چہ بذات خود میں اس میں کوئی عیب نہیں دیکھتا کہ اگر سلسلہ کے کسی افسر کو کوئی کار ملی ہے، کوئی سہولت ملی ہے تو پھر بچوں کو بھی اس میں شامل کر

لے آخر بچوں کا بھی حق ہے۔ قرآن کریم نے اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات میں کھول کھول کر اس حق کو بیان فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ یہ بھی فرمایا کہ بعض چندہ دینے والے تھے ان کا چندہ واپس کر دیا، ان کو روک دیا کہ اتنی قربانی نہیں کرنی۔ **و لنفسک علیک حق و لاھلک علیک حق** (مسند احمد حدیث نمبر: ۶۵۸۳) تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے، تیرے اہل کا بھی تجھ پر حق ہے۔ کیسا متوازن اور حسین اخلاق کا مظاہرہ ہے اور کیسی متوازن اور حسین اخلاق کی تعلیم ہے۔ اس کے مطابق اگر کسی نے اپنی سہولتوں میں اپنے بچوں کو بھی شامل کر لیا۔ کبھی لاہور دورے پر گیا ہے تو بچوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ **واقفین کے بچے آخر قید ہونے کے لئے تو نہیں بنائے گئے اور کبھی ان کو شالا مار کی سیر کرا دی تو آگ لگنے کی کیا ضرورت ہے۔** اس قدر کونسا گناہ عظیم اس سے مرتکب ہو گیا ہے کہ اس کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناؤ لیکن ایسے لوگوں پر جو طعن و تشنیع کے محل پر کھڑے رہتے ہیں بیچارے ان کو طوعی طور پر قربانی کی خاطر بعض بیماروں کو بچانے کے لئے اپنے معاملات میں احتیاط کرنی چاہئے اور جس حد تک ممکن ہے وہ احتیاط کرنی چاہئے اور کوئی اس سے بڑی قیامت نہیں آجائے گی۔ یہ نہیں میں کہتا کہ پوری طرح اپنے خاندانوں کو محروم کر دیں مگر مثلاً اگر آپ اپنے بیٹوں کو کاریں دیں کہ وہ دندناتے پھریں بازاروں اور گلیوں میں اور اس کا غلط استعمال کریں اور اپنے ساتھ دوستوں کو لے کر پھریں تو یہ یقیناً حد سے بڑھنے والی بات ہے۔ یہاں آپ کا عمل واقعۃً سرزنش کے لائق بن جاتا ہے۔ پھر اسے عادت بنالیں ساتھ دو قدم پر بازار ہے کہ جب بھی نکلنا ہے موٹر میں قدم رکھنا ہے اور موٹر سے قدم نکال کر دکان تک پہنچنا ہے یہ تو اچھی عادت نہیں ہے۔ مجھے خدا تعالیٰ نے ربوہ میں ایک ذاتی کار کی توفیق دی بھی ہوئی تھی تو مجھے تو سخت گھبراہٹ ہوتی تھی کہ ہر قدم پر اٹھ کے کار میں داخل ہوں اور کار کے ذریعے دوسری جگہ پہنچوں۔ مجھے بڑی سختی سے گھبراہٹ اور قید کا احساس ہوتا تھا۔ یا پیدل یا سائیکل پر جو لطف اس کا ہے عام نزدیک کے فاصلے طے کرنے کا وہ کار کا تو نہیں کار تو ایک مصیبت ہے ایسے موقع پر۔ تو آپ اپنے سائیکل استعمال کریں اپنے پاؤں استعمال کریں، چہل قدمی کریں، صحت بھی اچھی ہوگی لطف آئے گا اور بعض لوگ جو بیچارے خواہ مخواہ تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ جعفری نے ایک دفعہ ایک مشاعرے میں ایک نظم کہی تھی مزاحیہ کلام تھا تو اس مزاحیہ کلام پہ اس کو تمغہ ملا۔ لیکن اس کو غالباً معلوم ہو گیا تھا کہ ایسا نیا انداز ہے کہ تمغہ مل جانا ہے تو اس تمغے کے خلاف بھی اس نے ایک بات کر دی۔ اس نے یہ تتلا کر یہ نظم کہی

تھی اس نے۔ایک نیا تصور تھا جو پہلے اردو شاعری میں کہیں نہیں نظر آتا کہ وزن پورا کیا ہے تتلا تتلا کر گویا میں تو تتلا ہوں اور میں اس طرح شعر کہہ رہا ہوں۔تو اس نے کہا:

ج۔ج۔جعفری غریب ہے ت ت ۔۔تمغہ اس کو نہ دیجئے

اور آخری میں کچھ تھا کہ: د د۔۔۔دوسروں کو جلن نہ ہو

تو ٹھیک ہے آپ بھی دوسروں کو جلن کیوں پیدا کرتے ہیں خواہ مخواہ۔ جہاں تک بے اختیاری کا معاملہ ہے جنہوں نے جلنا ہے وہ تو حاسد ہے قرآن کریم کے بیان کے مطابق انہوں نے جلنا ہی ہے۔ ان کے دل پر رحم بھی کیا کریں کچھ کم مواقع پیدا کیا کریں ان کی جلن کے اور یہ احساس رہے لوگوں کو کہ آپ کو جماعت کی عطا کردہ سہولتوں کا احساس ہے تشکر کا جذبہ بھی ہے اور آپ نہیں چاہتے کہ ضرورت سے زیادہ ان کو استعمال کریں۔اس کے نتیجے میں سوسائٹی میں تقویٰ کا معیار بڑھتا ہے اور آپ کو بجائے اس کے کہ لوگ برائی کی طرف مائل ہوں آپ کو توفیق ملے گی کہ آپ نیکیاں بڑھانے کا موجب بنیں گے۔

اس کے علاوہ کچھ اور باتیں ہیں جو میں انشاءاللہ آئندہ خطبہ میں یا اس کے بعد کے خطبہ میں بیان کروں گا یعنی وہ ذرائع جن ذرائع سے ہم انفرادی طور پر معاشرے کی اصلاح میں ایک غیر معمولی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہ تو انتظامی باتیں ہیں لیکن میرا یہ ایمان ہے کہ جب تک ہمارے اندر سے ایک مفکر، ایک مدبر، ایک مصلح پیدا نہ ہو اس وقت تک حقیقی معنوں میں نہ ہماری اصلاح ہو سکتی ہے نہ ہم معاشرے کی اصلاح کے اہل بن سکتے ہیں۔اس لئے آج ایک یا دو یا تین یا چار مذکروں سے کام نہیں بنے گا۔آج ہر احمدی کو مذکر بننا ہوگا اور وہ نہیں بن سکتا جب تک اس کے ضمیر میں سے ایک مذکر پیدا نہ جو ہر وقت اس کو پہلے اپنی اصلاح کی طرف متوجہ نہ کر رہا ہو اور اس کے بعد انکساری کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کا اہل نہ بنا دے۔اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ اپنی بڑھتی ہوئی ذمہ داریوں کو اس طرح ادا کریں کہ خدا کے پیار اور محبت کی نگاہیں ہم پر پڑنے لگیں۔آمین۔